اداریہ

فلسطین میں عرب خون کی ارزانی

اذا الشعب یوماً اراد الحیاۃ فلا بد أن یستجیب القدر
ولابد للیل ان ینجلی ولا بد للقید ان تنکسر
(ابوالقاسم الشابی)

موجودہ انسان کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے، بہت پہلے بیورج (Beverdge) نے کہا تھا: ''اگر انسان فطرت پر اپنے بڑھتے ہوئے اقتدار سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ وہ خود اپنے آپ پر اقتدار کیوں کر حاصل کرے؟ اپنے نفس پر قابو پانے اور اس کے خلاف جنگ کو جیتنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی راہ پر چلے، جس پر چل کر اس نے فطرت پر برتری حاصل کی ہے... اس کے بغیر تہذیب کو خطرہ ہے... انسان کی بہتر تفہیم کے بغیر بنی نوع انسان کے لیے یقینی مسرت کا حصول ممکن نہیں۔'' افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ وقت میں امریکہ کے اربابِ اقتدار نے بیورج یا اس پایہ کے فلسفیوں کے قیمتی مشوروں کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ ابھی تک شعوری یا لاشعوری طور پر مغرب کی پرانی سامراجی پالیسی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اس کا ایک خوف ناک مظاہرہ ہم فلسطین میں دیکھ رہے ہیں، جہاں اِدھر پچاس سال سے عموماً اور دو سال سے خصوصاً جو خونی ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے، اس نے بتا دیا ہے کہ انسان خاص طور پر اینگلو امریکن سیاست اپنے سامراجی نفس پر قابو پانے میں بری طرح ناکام ہو گئی ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ 'المعارف' نے کئی بار لکھا ہے کہ اسلام انسانی آزادی کو ایک بنیادی قدر تسلیم کرتا ہے[۱] ایسے ہی مسلم اور غیر مسلم کے تعلقات بنیادی طور پر امن و آشتی پر مبنی ہیں۔ جنگ ایک عارضی حالت ہے، جس کی بنیاد جارحیت (Aggression) ہے۔ اگر جنگ چھڑ جائے، تب بھی پرامن شہریوں، بچوں، عورتوں، بوڑھوں کا قتل ایک پاپ ہے، جس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔[۲] شیخ ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد نے بیت المقدس میں ہیکل بنانا چاہا، تو خدائی حکم سے انہیں روک دیا گیا، کیوں کہ اُن کے ہاتھوں بہت سے انسان جنگوں میں مارے گئے تھے۔ اس لیے وہ معبد نہیں بنا سکتے۔ حضرت داؤد نے کہا کہ میں نے تو تیری راہ میں اُنہیں قتل کیا تھا۔ ''وہ میرے ہی بندے تھے۔'' خدا نے کہا۔[۳] لیکن جدید تاریخ کی یہ ستم ظریفی بھی دیدنی ہے کہ ان ساری باتوں کے باوجود مغرب کے بعض دانشور اپنی نادانی سے تشدد یا دہشت گردی کا رشتہ اسلام سے جوڑ رہے ہیں، اور اس ''جرم'' کی پاداش میں آج عرب اور مسلم عوام سے ان کی اپنی ہی سرزمین پر جینے کا حق چھینا جا رہا ہے۔ اس حق کو چھیننے کے لیے اینگلو امریکن سیاست آزادی، جمہوریت اور انسانی حقوق کا ورد بھی شب و روز کر رہی ہے۔ سر لیونگسٹن (Sir R. Livingstone) نے ٹھیک کہا تھا: یہ قوموں کی بدقسمتی ہے کہ سقراط زندہ نہیں اور نہ ہی اس نے اپنا کوئی جانشین چھوڑا۔ ورنہ وہ مغرب کے سیاسی رہنماؤں (خاص طور پر اینگلو امریکن سیاسی رہنما) اور صحافیوں سے پوچھتا کہ جمہوریت، آزادی اور فلاحی سوسائٹی کے الفاظ بول کر وہ کیا معنی مراد لیتے ہیں۔[۴]

آج فلسطین میں اسرائیل بڑی بے دردی سے اہلِ فلسطین کا خون بہا رہا ہے، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے وقار اور ناموس کو پامال کر رہا ہے۔ امریکہ کے جنگی طیاروں (F-16) کی مدد سے فلسطین کی پوری سرزمین پر آگ کی بارش برسائی جا رہی ہے۔ اس پر نہ

۱۔ الاصل فی الناس الحریة۔

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: المعارف (اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۱ء)، اداریہ ''اسلام اور امن و آشتی''۔

۳۔ یہ تصور بائبل میں موجود ہے، لیکن حضرت شیخ نے اس پر لطیف اضافہ کیا ہے، طبرانی نے معجم الکبیر میں اسی قصے کو لکھا ہے۔

۴۔ Plato (London, 1960), Introduction.

صرف دُنیا بھر کے اہلِ درد تڑپ تڑپ اُٹھے ہیں۔ بلکہ خود اسرائیل کے درجنوں فوجیوں نے بھی اس اخلاقی پستی میں اترنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس خونی منظر پر یورپی یونین اور تیسری دُنیا اپنی بے چینی کے باوجود بے بس ہے، کیوں کہ اسرائیل کو بش انتظامیہ کی اشیر باد حاصل ہے۔ صدر بش نے اسرائیل کے وزیراعظم کو امن و آشتی کا تمغہ بھی "The Man of Peace" عطا کیا ہے۔ فلسطین کے ساتھ اب عراق بھی زیرِ عتاب آ گیا ہے۔ جس کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ فلسطین کا المیہ جو آج پوری دُنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، غائب از نظر ہو جائے۔ چنانچہ صدر بش نے عراق کا پرانا افسانہ چھیڑ دیا ہے کہ وہ بہ قولِ صدر بش تباہ کُن اسلحہ تیار کر رہا ہے۔ اس نے سلامتی کونسل کی قراردادوں کی مسترد کیا ہے، وہ (عراق) تہذیب کے لیے خطرہ ہے۔ کیا خوب! کیا اسرائیل نے سلامتی کونسل کی قراردادوں کو مانا؟ اگر صدر بش کی منطق کو مان لیا جائے تو پھر اقوامِ متحدہ کس مرض کی دَوا ہے؟ کیا اچھا ہوتا کہ امریکہ کے اہلِ دانش بش انتظامیہ کو ان اسباب سے آگاہ کرتے، جنہوں نے مشرقِ وسطیٰ میں انتہاپسندی کو جنم دیا ہے۔ کیا بش-بلیر غیر مقدس معاہدے کے بغیر اسرائیلی صیہونیت اہلِ فلسطین کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ سکتی تھی؟

واقعہ یہ ہے کہ امریکہ کی نظر عراق اور ایران کے پٹرول پر ہے، نیز وہ نہیں چاہتا کہ اس خطے میں کوئی ملک اسرائیل کے سامنے سر اُٹھا کر چلے۔ بے شبہ آج آنجہانی سویت یونین کے سقوط کے بعد دُنیا میں طاقت کا توازن بگڑ گیا ہے، جس سے دُنیا کی کمزور قوموں اور امن و آشتی کی تحریک کو زبردست خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن اہلِ نظر یہ دیکھ رہے ہیں کہ سویت یونین کے سقوط کے بعد اب امریکہ کی باری ہے۔ بلکہ یہ کہنا شاید صحیح ہوگا کہ مغرب کے اربابِ دانش کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ عالمی سیاست کا مرکزِ ثقل اٹلانٹک سے مشرق بعید منتقل ہو رہا ہے۔ چنانچہ اب دیر یا سویر سے امریکہ کو بھی دُنیا کے اسٹیج سے پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔ یہی اسٹیج ہے جس پر کبھی فرانس اور برطانیہ براجمان تھے۔ لیکن بیسویں صدی نے دیکھا کہ ان دونوں طاقتوں کو جنگِ عالمگیر کے بعد سویت یونین اور امریکہ کے لیے جگہ خالی کرنا پڑی۔ پھر ان دونئی طاقتوں میں کشمکش ہوئی، اور سرد جنگ نے پوری دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بالآخر اس کشمکش میں

سویت یونین بازی ہار گیا۔ اب اسٹیج پر صرف امریکہ رہ گیا ہے، جو اپنے حریف کا انتظار کر رہا ہے، کیونکہ یہی قانونِ فطرت ہے۔ قرآن نے فرمایا ہے: ''دُنیا میں اللہ نے ایک جماعت کے ہاتھوں دوسری جماعت کے ظلم کو دفع کرنے کا انتظام کر رکھا ہے۔ اگر یہ سلسلۂ **مدافعت 'بعض ببعض'** نہ ہوتا تو دُنیا میں خدا پرستی کا خاتمہ ہو جاتا۔ کسی گروہ کی عبادت گاہیں انسانی ظلم و استبداد کے ہاتھوں محفوظ نہ رہتیں[1]۔'' (الحج: ۴۰) اس لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا عالمی اسٹیج پر کسی ایک گروہ کو 'فرعون' بننے کی اجازت نہیں دے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو دُنیا میں بلند روحانی قدروں کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

آج فلسطین میں سرِ بازار ہماری جو رسوائی ہو رہی ہے۔ اس میں برطانوی سیاست نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ میں برطانیہ نے عثمانی خلافت کے خلاف اپنے وفادار عرب سرداروں سے خفیہ معاہدے کیے اور ساتھ ہی ساتھ بین الاقوامی صیہونیت سے بھی۔ جنگ کے خاتمہ پر عرب علاقے کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں؛ عراق، اردن، لبنان، شام میں تقسیم کر دیا گیا، اور فلسطین کو براہِ راست برطانیہ نے اپنے انتداب میں رکھا تاکہ یہاں بیرونی یہودیوں کو آباد کیا جا سکے۔ جب غیر ملکی یہودیوں نے فلسطین کا رُخ کیا، تو اُنہوں نے بھاری قیمت پر سادہ لوح عربوں سے ان کی زمینیں خریدنا شروع کیں اور پھر انہی منہ مانگے داموں کو سرشام ہمارے ناداں دوست یہودی میکدہ میں جا کر ساقی کے قدموں پر نچھاور کر دیتے۔

جب بات آگے بڑھی تو ۱۹۳۰ء میں قاہرہ میں ایک کتاب ''فلسطین شہوت کی آگ میں جل رہا ہے'' شائع ہوئی[2]، جس میں فلسطین میں فروخت ہونے والی عرب زمینوں کی دستاویزات شائع کی گئیں۔ لیکن عرب حکمران اور فلسطینی رہنما برابر خوابِ غفلت میں مست رہے۔ ۱۹۴۶ء میں جب یہودیوں کی دہشت گردی سے انگریز افسر بھی قتل ہوئے۔ تو برطانیہ

۱۔ ابوالکلام آزاد: ترجمان القرآن، ج ۲۔ (سورۃ الحج: ۴۰ پر نوٹ)

۲۔ فلسطین تحترق فی نار الشهوات، خاکسار ازہری عالم شیخ عبدالجلیل شلبی کا ممنون ہے، جنہوں نے لندن، ۱۹۶۷ء میں مجھے یہ معلومات فراہم کی تھیں، خاکسار نے اس زمانہ میں سقوط بیت المقدس پر لکھا تھا، جس پر لندن میں اردن کے سفیر کبیدہ خاطر تھے۔

نے فلسطین کو اس کے جائز وارثوں کے حوالے کرنے کی بجائے .U.N سے کہا کہ وہ اس مسئلے کو حل کرے۔ ۱۹۴۸ء میں اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہودی علاقے میں اسرائیل کے نام سے ایک ریاست وجود میں آ گئی۔ جو آج اپنی سیاسی، تعلیمی اور فوجی نقطۂ نظر سے انتہائی منظم ریاست ہے اور اینگلو امریکن سیاست کی حلیف۔ رہا فلسطین کا عرب علاقہ جس میں ایک باقاعدہ ریاست کا قیام ضروری تھا، تو وہ عرب نااہلی کا شکار ہوگئی۔ اس کے ایک حصے؛ بیت المقدس اور مغربی کنارے پر شاہ عبداللہ والیٔ اردن نے قبضہ کر لیا۔ اور غزہ کی پٹی پر مصر کے شاہ فاروق نے اور مفتی فلسطین کو جو بزعم خویش فلسطین کے رہنما تھے، شاہ فاروق کی ہم نشینی کا ''شرف'' حاصل ہوا۔ اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں ان علاقوں کو مصر اور اردن سے چھین کر ان پر پھر قبضہ کر لیا۔ پھر جو ہوا سو ہوا!!

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

یہ ٹھیک ہے کہ آج فلسطین کی تاریخ خون اور آنسوؤں سے لکھی جا رہی ہے اور امریکہ اور اسرائیل اس فریب میں مبتلا ہیں کہ اُنہوں نے اپنی فوجی برتری سے اہلِ فلسطین کی قوتِ مدافعت کو کچل دیا ہے اور اس راکھ کے ڈھیر میں اب کوئی چنگاری باقی نہیں رہی۔ لیکن تاریخ نے بتایا ہے جب کوئی قوم بہ قول ابوالقاسم الشابی ''زندہ رہنے کا ارادہ کر لیتی ہے تو پھر تقدیر کو سرنگوں ہونا پڑتا ہے، رات کی تاریکی پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ چھٹ جائے اور ہاتھ پاؤں میں پڑی ہوئی زنجیروں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ ٹوٹ جائیں[1]''

ہمیں اس امر میں مطلقاً کوئی شک نہیں کہ فلسطین کی مقدس سرزمین آزاد ہو کر رہے گی اور جو قومیں آج اپنے مادی اسبابِ معیشت پر اترا رہی ہیں۔ وہ کل کو دُنیا کے لیے عبرت کا نشان بن کر رہیں گی۔ قرآن نے فرمایا ہے: ''کتنی ہی آبادیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا، حالانکہ اسبابِ حیات و معیشت سے وہ مالا مال تھیں، یہ بربادی کے خرابے اور تباہی کے کھنڈر

---

[1] عربی شعر زیرِ عنوان درج ہیں۔

اُنہیں لوگوں کے گھر ہیں، جو پھر آباد نہ ہو سکے اور آخر کار ان کے مال و متاع کے ہم ہی وارث ہوئے۔'' (القصص:۵۸)

ان آیاتِ کریمہ پر ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: ''تماشائے ہستی کا ایک بہت بڑا منظر وہ تغیرات ہیں، جن کے طوفان قوموں اور ملکوں کے اندر اُٹھتے ہیں، اور بڑی بڑی آبادیوں کو تہ و بالا کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ آبادیوں کی جگہ ویرانیوں سے مبدل ہو جاتی ہے۔ زندگی کی رونق پر موت کا سناٹا چھا جاتا ہے۔''[1]

فھل من مدّکر؟ (تو کوئی ہے جو سوچے سمجھے۔)

رشید احمد (جالندھری)

---

[1] باقیات ترجمان القرآن، ص ۱۷-۱۸ (مرتب غلام رسول مہر)